(غلام گردش)

عدم توازن

معاشرہ میں توازن کس طرح پیدا کیا جائے کیونکہ غیر متوازن رویہ اس وقت قومی شعار ہے۔ درست بات ہے کہ ہر انسان، گروہ یا سیاسی جماعت کو اپنے خیالات رکھنے کا بھرپور اختیار ہے مگر یہی اختیار اسکے سیاسی، سماجی یا معاشی مخالفین کو بھی حاصل ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو گزشتہ تیس سے چالیس برس میں معاشرے کی "نئی سوشل انجینئرنگ" کی گئی ہے۔ تبدیلی کا خاصہ صرف ایک ہے کہ "صرف میری سوچ، میرا کام یا میرا نظریہ درست ہے"۔ چند برسوں میں اس فکر میں مزید غیر سنجیدگی عود کر آئی ہے۔

موجودہ حالات میں صورتحال اس درجہ مشکل ہو چکی ہے کہ غیر جانبدار تجزیہ کرتے ہوئے بھی شدید ردِعمل کا خدشہ لاحق رہتا ہے۔ یہ مشکل معمولی ہرگز نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ معاشرے کا ہر شعبہ بے دردی سے تبدیل کیا گیا ہے۔ بگاڑ کی ذمہ داری لینے کیلئے کوئی بھی تیار نہیں۔ تعلیم کی طرف نظر ڈالیے۔ ہر اخبار میں داخلے کے اشتہارات اس خوبصورتی سے لگائے جاتے ہیں کہ بچے اور بچیاں اپنا مستقبل انہی درسگاہوں میں ڈھونڈنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تعلیمی ادارے طلباء کو خواب بیچتے ہیں۔ کوئی تصویر ڈاکٹر کی ہے تو کوئی کامیاب ہوا باز کی۔ سائنس کی لیبارٹری ہر اشتہار میں یکسانیت سے موجود ہوتی ہے۔ نجی شعبہ کے یہ تعلیمی ادارے پلے گروپ سے لیکر پی ایچ ڈی تک تعلیمی کاروبار میں مصروف ہیں۔ اب تو حالات یہ ہیں کہ کوئی ایسا مضمون نہیں جسکی تعلیم کے متعلق نجی یونیورسٹیاں اور کالج سرسری توجہ نہ دے رہے ہوں۔ مگر کبھی کوئی ادارہ یہ نہیں بتاتا کہ اسکے فارغ التحصیل لوگ کس طرح کی نوکریاں لینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اَن گنت بدقسمت طلباء ہیں جو ڈگریاں لیے ملازمت کیلئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ سالہا سال حزیمت اُٹھا کر پھر کوئی معمولی سا کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں ایم۔ بی۔ اے پروگرام کو پرکھیے۔ ملک میں ہزاروں بچے ایم۔ بی۔ اے کر رہے ہیں۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد انکا جو حشر ہوتا ہے، وہ صرف اور صرف یہ بچے ہی جانتے ہیں۔ پندرہ بیس ہزار کی نوکری بھی ملنا مشکل ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ تعلیمی "قزاقی" کیونکر جاری ہے۔ بیروزگاری پیدا کرنے کی یہ مشینیں اپنے لیے تو پیسہ کما رہی ہیں، مگر یہ پورے معاشرے میں بیروزگاری کے جہنم کو نوجوانوں کا ایندھن مہیا کر رہی ہیں۔ اب تو یہ درسگاہیں بڑے شہروں سے نکل کر چھوٹے چھوٹے قصبوں تک پھیل چکی ہیں۔ فیصل آباد کا ایک صنعت کار گھی بنانے کا کاروبار کرتا ہے۔ اس نے ایک تعلیمی درسگاہ بھی بنائی ہے۔ اسکے بقول اب میرا اصل دھندا یہی تعلیمی درسگاہ ہے۔ اس طرح کی درجنوں مثالیں موجود ہیں۔ یہ سب کچھ تعلیم ہی ہے یا کچھ اور، کیونکہ ایک بھی مقامی یونیورسٹی بین الاقوامی سطح پر کسی حیثیت کی حامل نہیں۔ ان تعلیمی درسگاہوں کے مالکان سے لیکر طلباء کی اکثریت تک اسی غیر متوازن سوچ میں مبتلا ہے جسکا ذکر پہلے کیا ہے۔ بیروزگاری ایک طرف اور مالکان کی دولت میں دن دوگنا رات چوگنا ناجائز منافع دوسری طرف۔ یہاں تک بتایا جاتا ہے کہ چند سکولوں کے گروپ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ بورڈ کے اندر بھی رسائی رکھتے ہیں۔ وہاں لین دین سے اپنے طلباء کو بہتر نمبر لگواتے ہیں پھر ان اعلیٰ نمبروں کا ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر اشتہارات کے ذریعے آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں۔ مقصد صرف ایک کہ تعلیم کے نام پر ڈاکہ اور چوری کیسے کی جائے۔ عملی صورتحال کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ ہمارے معاشرے میں مکمل ناانصافی کی بدولت تعلیم یافتہ

انسان کی کوئی قدر نہیں۔کوئی عزت نہیں،اسکا کوئی مقام نہیں۔دیکھا یہ جاتا ہے کہ کوئی نقصان کتنا پہنچا سکتا ہے۔یہی ہمارے نظام کی بنیاد ہے۔صرف اسی شخص کی عزت وتکریم ہے جولوگوں کو اپنے شر یا طاقت سے غیر محفوظ کرتا ہے۔یہ ہماری عمومی سوچ ہے۔آپ بے شک اعلیٰ ترین ڈگری حاصل کرلیں۔مگر معاشرے میں صرف تعلیم کی بدولت کوئی مقام حاصل نہیں کرسکتے۔رابرٹ موگابے نے ایک جگہ کہا تھا،معاشرے میں اَن پڑھ جرائم پیشہ لوگوں کے پاس دولت اور طاقت کا ارتکاز عملی طور پر بتاتا ہے کہ اس ملک میں تعلیم کی اصل حیثیت کیا ہے۔اردگرد نظر دوڑائیے۔آپ کو صرف اور صرف تعلیم کی بنیاد پر کوئی بھی عزت کا مستحق نظر نہیں آئیگا۔جب تعلیم کی کوئی عملی حیثیت نہیں،تو پھر کس طرح جدید فکر نمودار ہوگی۔

سیاسی میدان کی طرف آیئے۔ہمارے ملک میں صرف اور صرف سیاست ہورہی ہے۔بیانات،نعرے اور تقریریں طوفان کی تندی کی طرح ہر ذی شعور کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔کسی سیاسی جماعت کا سنجیدگی سے جائزہ لیں۔کارکنان اور لیڈر حضرات صرف اور صرف اپنے آپکو درست مانتے ہیں۔انکے تمام سیاسی مخالفین نکمے،کرپٹ اور جاہل ہیں۔بات یہاں نہیں رکتی۔سیاسی مخالفین وطن دشمن،غدار اور ملک کی ترقی کے دشمن گردانے جاتے ہیں۔یہ وہ انتہائی غیر مہذبانہ صف بندیاں ہیں جس نے پورے معاشرے کو منتشر کردیا ہے۔افراتفری اور آپادھاپی کے کلچر کو اس درجہ ترویج دی ہے کہ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔کسی بھی سیاسی قائد کو دیکھ لیں۔اپنے متحارب دھڑے کو زندہ رہنے کا حق دینے کیلئے تیار ہی نہیں۔ایک دوسرے پر گدلا کیچڑ اُچھالنا اولین فرض سمجھا جاتا ہے۔دو تین دن پہلے کا واقعہ اُٹھا کر دیکھیے۔کے پی کی خاتون ایم۔این۔اے کی سیاسی باتیں ایک طرف۔مگر اسکی بہن کو بھی تختہ مشق بنایا گیا جو بیرون ملک ٹینس سیکھ رہی ہے۔ٹریننگ دینے والے افراد کا کہنا ہے کہ کھیل کے میدان میں یہ لڑکی بہت ترقی کرسکتی ہے۔پاکستان کا نام روشن کرسکتی ہے۔خاتون کھلاڑی کے لباس پر بھی بے پناہ تنقید کی گئی ہے۔پوری دنیا میں ٹینس سکرٹ پہن کر کھیلی جاتی ہے۔آپ سوچ دیکھیے کہ اکثریت لوگ کھیلتی ہوئی خاتون کھلاڑی کی سکرٹ کے متعلق طنز فرمارہے ہیں۔اسکے کھیل کی تعریف کوئی بھی نہیں کررہا۔وجہ ہماری "دشوار سوچ" ہے جو سطحیت سے آگے جانے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ہم مجموعی طور پر منتشر ذہن کے لوگ ہیں۔ہم مخالف خاندان کی خواتین تک کو نہیں بخشتے۔کیا یہ عملی ثبوت نہیں ہے کہ ہماری فکر کتنی عجیب سی ہے۔بات سیاست کی ہورہی ہے۔ہر برسرِ اقتدار شخص کی صرف ایک خواہش ہے کہ اسکے سیاسی مخالف کی گردن اُتار کر چوراہے میں ٹانگ دی جائے۔کوئی اپنے فکری مخالف کو سانس لینے کا حق تک نہیں دینا چاہتا۔یہ سوچ پُرتشدد بھی ہے اور متعصب بھی۔اب یہ انتشار ہمارے قومی اداروں میں بھی پنپ چکا ہے۔ہر ادارہ دوسرے ادارے کی غلطیاں ٹھیک کرنے کا "جہاد" کررہا ہے۔اپنی کوتاہیوں پر توجہ دینے کا کوئی ارادہ یا جذبہ نظر نہیں آتا۔ہر ادارہ دوسرے کو شک کی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ہمیں ایک "ناکام ریاست" بتایا جاتا ہے۔ہماری کتنی عزت ہے،اسکا اندازہ آپکو غیر ممالک میں جاتے ہی ہوجاتا ہے۔

کسی بھی شعبہ کی طرف دیکھیے۔انسان ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔کھیلوں میں کرکٹ ہماری پہچان ہے۔کھلاڑیوں کو بھرپو معاوضہ دیا جاتا ہے۔سپر سٹار کا درجہ بھی حاصل ہے۔جہاں بھی جاتے ہیں،لوگ آؤ بھگت کرتے ہیں۔مگر انہی میں کئی

کھلاڑی "مروجہ قومی سوچ" کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ میچ فکسنگ اور بکیوں کے ساتھ ملکر ملک کو حزیمت میں ڈال دیتے ہیں۔ جب تمام ثبوت سامنے آجائیں تو پھر بھی ڈھٹائی سے انکار کر دیتے ہیں۔ بھاری فیس دیکر وکلاء کو آگے پیش کر دیتے ہیں۔ لاہور میں رہنے والے ایک سابق ٹیسٹ کرکٹر، اپنے بھائی اور والد سمیت میچ فکسنگ میں ملوث رہے ہیں۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ انکا ذیلی پیشہ " کرکٹ پر جوا ہے "۔ مگر آج وہ ٹی وی پر آکر لوگوں کو امانت، دیانت اور راست بازی کا سبق دے رہے ہوتے ہیں۔ باتوں سے لگتا ہے کہ سراپا فرشتہ ہیں۔ مگر تھوڑا سا گہرائی سے معاملات کو کریدیے تو لفاظی کے برعکس مشکل مالی معاملات سامنے آجاتے ہیں۔ عرض کر رہا ہوں کہ نئی سوشل انجینئرنگ نے ہر شعبہ کو گرفت میں لیکر برباد کر ڈالا ہے۔ کوئی بھی محفوظ نہیں اور رہنا بھی نہیں چاہتا۔ صحت کے شعبہ کا بھی یہی حال ہے۔ دوائیاں بنانے والی کمپنیاں مالی اعتبار سے ڈاکٹروں کو آسودہ حال کرتی رہتی ہیں۔ چھٹیوں پر بیرون ملک دورے کرواتے ہیں۔ گاڑیاں اور ہر طرح کی سہولیات دیتے ہیں۔ مقصد صرف ایک کہ ہر کمپنی چاہتی ہے کہ ڈاکٹر صاحبان انکی بنائی ہوئی دوائی ہی نسخہ پر لکھیں۔ جتنا بڑا ڈاکٹر ہے، اسکی اتنی زیادہ آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ مریضوں کو ادنیٰ دوائیاں لکھ کر ایک طرح سے موت خریدی اور بیچی جاتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پوری دنیا میں پاکستان جعلی دوائیاں بنا کر بیچنے والوں میں سرِ فہرست ہے۔ جعلی دوائیاں، پیسے لیکر آرام سے پاس بھی ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر بڑے اطمینان سے انہیں تجویز کرتے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ سوچ صرف ایک کہ کس طرح پیسے کمانے ہیں۔ جائز اور ناجائز کا تو اب مسئلہ ہی نہیں ہے۔

المیہ تو یہ بھی ہے کہ "دہشت گردی کے جن" کے خلاف بھی ہم ایک قومی سوچ ترتیب دینے میں کافی حد تک ناکام ہو چکے ہیں۔ اسکو فوج اور چند سرکاری محکموں کے کھاتے میں ڈال کر باقی سب چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔ لوٹ مار میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا حد درجہ مقابلہ کر رہے ہیں۔ جس "سوشل انجینئرنگ" نے ملکی اعتبار سے ہمیں زخمی کیا ہوا ہے بلکہ ادھ موا کر ڈالا ہے، اس پر کوئی بات کرنے کیلئے تیار نہیں۔ کوئی سچا اور غیر متعصب بیانیہ ترتیب نہیں کرنا چاہتا۔ مسئلہ وہی رویوں کا عدم توازن ہے۔ یہ سب کچھ ہمیں وہاں لے جا چکا ہے، جہاں سے واپسی اگر ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ضرور ہے۔ مگر یہاں کس کو فکر ہے۔ اب عدم توازن ہی ہماری قومی سوچ ہے!

راؤ منظر حیات